OPEN ACCESS

Kashf Journal of Multidisciplinary Research
Vol: 02 - Issue 1 (2025)
P-ISSN: 3007-1992 E-ISSN: 3007-200X
https://kjmr.com.pk

ناول بستی میں تہذیبی بکھراؤ اور ناسٹلجیائی بیانیہ

DIASPORA AND NOSTALGIC NARRATIVE IN THE NOVEL BASTI

Meharin Saba*
PHD Urdu, Federal Urdu University of Arts, Sciences & Technology Islamabad

Saeeda Irum
PHD Urdu, Federal Urdu University of Arts, Sciences & Technology Islamabad

****Corresponding author:*** *meharinsaba104@gmail.com*
DOI: *https://doi.org/10.71146/kjmr246*

Article Info

Abstract

Intezar Hussain, who suffered from the pain of migration, writes about the memories of the past. Migration, the feeling of exil, the reflection of the glorious past and happy memories are prominent in his writings. There is a lot of nostalgia in his novels. which is a psychological phenomenon. The environment, living conditions, and cultural customs constantly remind the diasporas of their past. This research article explores how Intzar Hussain has described nostalgic feelings of Diaspora in his novel Basti.

This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) license https://creativecommons.org/licenses/by/4.0

Keywords:

Intezar Hussain, Basti, Diaspora, Nostalgia, migration, exil.

ناسٹلجیا ایک فکری رجحان ہے جو عالمی ادب میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ یہ ایک نفسیاتی رجحان ہے جس کو ماضی کے شدید احساس سے تعبیر کیا جاتا ہے ماضی میں گھر جانے یا یادوں کو تازہ رکھنے کے لیے ناسٹلجیا Nostalgia کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اس کے لیے یاد ماضی، ماضی پرستی، ماضی کی بازیافت جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

ناسٹلجیا کا لفظ پہلی مرتبہ جونسس ہافر Johansess Hofer نے وطن کی خواہش یا گھر کی یاد کے طور پر متعارف کروایا۔ پہلے ناسٹلجیا ان سپاہیوں کے وطن جانے کی خواہش کے حوالے سے ماضی میں ایک بیماری تصور کی جاتی تھی جو دل کی شکستگی اور اداسی کا شکار ہو جاتے تھے لیکن یہ کوئی بیماری نہیں بلکہ ماضی کے خوشگوار لمحوں کی یاد کا استعارہ ہے۔

وطن واپسی کی خواہش یا وطن سے دوری کا احساس اس وقت جنم لیتا ہے جب افراد یا گروہ وطن سے دور ہوتا ہے۔ وطن سے دوری کی وجہ تلاش معاش، سیاسی و جغرافیائی حالات ہیں جس نے ناسٹلجیا کی تخلیق میں اہم کردار ادا کیا ناسٹلجیا کا احساس ہر انسان میں کم یا زیادہ ضرور پایا جاتا ہے۔

انتظار حسین، قرۃ العین حیدر، عبداللہ حسین، خدیجہ مستور ایسے ادیب ہیں جن کے فکشن میں ناسٹلجیا دکھائی دیتا ہے۔ شاعروں میں ناصر کاظمی، منیر نیازی، احمد مشتاق، افتخار عارف کا نام قابل ذکر ہے

وہ شاعر یا ادیب جنھوں نے برصغیر کی تقسیم اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی انھوں نے اس علاقے میں سیاسی اور مذہبی طور پر پیدا ہونے والی صورت حال کی کرب انگیزی کو محسوس کیا۔

کوئی بھی ہجرت کرنے والا اپنے آبائی علاقے میں واپس جانے کے لیے ہجرت کرتا ہے۔ مگر پاکستان سے ہندوستان اور ہندوستان سے پاکستان ہجرت کرنے والوں کی نقل مکانی واپس نہ جانے کے لیے تھی۔ اس ہجرت نے باشعور لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو تہذیبی جلاوطنی میں مبتلا کر دیا۔

کسی بھی معاشرے کی تصویر اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنے ماضی کے لیے ہوئے حصے کے ساتھ مل نہ جائیں۔ افراد کا تشخص ان کے ماضی میں چھپا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر قمر رئیس کا کہنا ہے

"قوموں کا تہذیبی تشخص ان کی تاریخ اور افراد کا تشخص ان کے ماضی پنہاں ہوتا ہے"(۱)

آدمی کی یاداشت ہی اس کو اپنے تمام تر پس منظر کے ساتھ زندہ رکھتی ہے اور اسی کے سہارے اس کا حاضر زندہ رہتا ہے۔ یاداشت کا کھو جانا شخصیت کی موت کے مترادف ہے۔

بقول گوپی چند نارنگ:

"یاداشت نہ ہو تو ماضی بھی نہیں رہتا اور ماضی نہ ہو تو بنیاد اور جڑیں کچھ نہیں رہتیں گویا خود حال کی حیثیت ایک مشت غبار سے زیادہ نہیں ہے۔ یاد کے معنی ہیں اپنی ذات کے اجزائے ترکیبی کی شیرازہ بندی کرنا۔ اس سے تہذیبی انفرادی شخصیت کی بنیاد ہے۔"(۲)

ناسٹلجیا ایک مثبت طرز احساس ہے کیوں کہ یہ اصطلاح ادب میں شاندار ماضی سے وابستہ شخصیات، زمانہ، واقعات اور گزرے ہوئے خوشگوار لمحوں کی یاد میں دلچسپی اور ماضی سے ربط رکھنے والی چیزوں کو نمایاں کر کے پیش کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔

جیسا کہ ممتاز احمد خان نے لکھا ہے:

"کیا ناسٹلجیا ایک مثبت طرز احساس ہے اس سوال کا جواب تو ابھی دیا جا چکا ہے۔ کہ ہجرت کے مارے ہوؤں سے ناسٹلجیا کی یادیں کبھی جدا نہیں ہو سکتیں کیوں کہ یہ ان کی فطرت کا خاصا ہے سوال یہ ہے کہ کیا یہ مریضانہ اور منفی جذبہ تو نہیں تو اس کا بھی جواب یہ ہے کہ ایسا قطعی نہیں۔"(۳)

ہجرت سے انسان کی وابستگی ابتدائے آفرینش سے رہی ہے انسان مختلف ضرورتوں کے تحت یا پھر کسی جنگ کی وجہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کا سفر اختیار کرتا ہے۔ آغاز آفرینش سے ہی انسان حکمرانی کے نشے اور دولت کے حصول کے لیے لوگوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتا رہا ہے یا پھر حصول معاش کے لیے ایک ملک سے دوسرے ملک ہجرت ہوتی ہی ہے۔

اس طرح قیام پاکستان کے وقت ہجرت ایک نظریے کے تحت وجود میں آئی مسلمانوں نے ہندوستان سے پاکستان کے لیے سفر کیا۔

مسلمانوں کے قافلے راہ میں برباد ہوئے اور جو زندہ بچے وہ پاکستان میں داخل ہوئے مگر اس سرزمین میں انھیں بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑا انسان پریشانیوں اور انتشار سے چھٹکارا پانے کے لیے ماضی کو یاد کر کے آسودہ لمحوں کی بازیافت سے موجودہ کرب کو کم کرنے کی سعی کرتا ہے۔ یوں ان ہجرت کے ماروں میں ناسٹلجیا جنم لیتا ہے۔ اس حوالے سے انتظار حسین کے ناولوں اور انسانوں میں ہجرت کرب اور ماضی کی بازیافت دکھائی دیتی ہے۔

قیام پاکستان کے عمل نے برصغیر کے ڈائیاسپورا کو نہ صرف ایک سمت حال و مستقبل کا پتہ دیا بلکہ ماضی کو کھوجنے، اپنے احساسات کا حصہ بنانے اور سمجھنے کی خواہش بھی دی جس کو ناسٹلجیا کیا جاتا ہے۔ اس رجحان کی بنیاد ہجرت کے تجربے پر تھی۔

روبینہ الماس کا کہنا ہے:

"ماضی کی بازآفرینی کا شدت سے استعمال قرۃ العین اور انتظار حسین کے یہاں ملتا ہے۔ بلکہ انسانوں میں ماضی کی بازآفرینی کی روایت کے موجد قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین ہی ہیں۔"(٤)

تہذیبی بکھراؤ اور ناسٹلجیا کے رجحان کے تحت لکھے جانے والے ناولوں میں بستی، تذکرہ اور آگے سمندر ہے انتظار حسین کے نمائندہ ناول ہیں۔

تقسیم ہند کے نتیجے میں ہجرت ہندو مسلم آبادی کے لیے ایک بہت بڑا نفسیاتی اور تہذیبی المیہ تھا اس ہجرت کے باعث تہذیبی بکھراؤ اور تمدنی عدم شناخت کا یہی المیہ ناسٹلجیا کی ایک محرک صورت میں نمودار ہو۔

دراصل ڈائیاسپورا جب اپنی مٹی، اپنی جڑوں سے اکھڑ کر اجنبی ملک میں جا بستے ہیں وہاں ان کی کوئی باقاعدہ پہچان اور شناخت نہیں ہوتی بغیر شناخت کے زندگی گزارنا بے حد دشوار ہے۔ اس لیے سابقہ تہذیبی شناخت اور اس کی بازیافت پر اصرار ان کی سماجی اور نفسیاتی ضرورت بن جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ اکثر ناسٹلجیا کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

اجنبی دیار میں منتقل ہونے کی صورت میں ڈائیاسپورا شدید تنہائی کے تجربے سے دوچار ہوئے انھیں پل پل اپنا وطن اپنی آنکھوں سے دور ہوتے شہر، گمشدہ معاشرے اور ٹوٹتے ہوئے تہذیبی دریچے یاد آتے ہیں۔

بقول خان شاہد وہاب:

"ہر شخص اس عہد (بچپن) کو خوشگوار انداز میں یاد کرتا ہے یہ یادیں اس کے لیے لذت انگیز اور باعث مسرت ہوتی ہیں۔ اگر اس فرد کا تعلق دیہی علاقے سے ہو تو اس کی یادوں کا سرمایہ کافی وسیع، وافر اور متنوع ہوتا ہے اور جب کبھی زندگی سرکرنا دشوار لگنے لگتی ہے تو یادوں کا سرمایہ زندگی کا سرمایہ بن جاتا ہے۔ جینے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ بچپن میں اپنی زمین وہاں کی مٹی آم وامرود کے باغات، انواع واقسام کے اشجار، خوش رنگ پرندوں کی چہچہاہٹ، بندروں، بیلوں تتلیوں سے اک رشتہ قائم رہتا ہے۔ ہجرت کے بعد اجنبی دیار میں زندگی کا یہ زمانہ بے طرح یاد آتا ہے جسے ناسٹلجیا کہتے ہیں"۔(۵)

ہجرت کر کے آنے والوں کو امید تھی کہ پاکستان کی سرزمین اپنی ہوگی، اپنا وطن ہوگا اپنا گھر جہاں مسرت اور سکون کے لمحات میسر ہوں گے لیکن ان کی حسرت بھری نگاہوں کے خواب شرمندہ تعبیر نہ سکے۔

انتظار حسین خود ہجرت کے کرب سے دوچار ہوئے اس لیے انھوں نے ڈائیاسپورا کے اس کرب کو شدت سے محسوس کیا جو کسی عزیز واقارب، اپنے وطن اپنی صدیوں پرانی تہذیب واقدار سے ایک دم بچھڑ جاتا ہے ہجرت سے قبل انتظار حسین ہندوستان کی قدیم جاگیر دارانہ نظام کی باقیات اور تہذیب سے منسلک تھے۔ لیکن انتقالِ آبادی اور ہجرت کے اس عمل کے باعث وہ بھی دیگر ڈائیاسپورا کی طرح سابقہ رشتوں اور قربتوں سے محروم ہو گئے یہی وجہ ہے کہ ان کے بیشتر افسانے بیتے لمحوں کی یاد سے عبارت ہیں جنھیں ہجرت کے کرب نے ان سے جدا کر دیا۔

ہجرت ان کے یہاں محض ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ بس جانے کا نام نہیں ہے اور نہ ہی صرف ملک کی تقسیم کا واقعہ ہے بلکہ اس ہجرت کی وجہ سے انھوں نے صدیوں کی تہذیب کو اجڑتے ہوئے دیکھا ہے اور ہجرت کے شدید احساس ہی سے ان کے یہاں ناسٹلجیائی رجحان تشکیل پایا۔

بقول گوپی چند نارنگ:

"انتظار حسین کے زیادہ تر افسانے ان چیزوں اور لمحوں کو یاد کرنے کے عمل سے وابستہ ہیں جنھیں وقت نے دور کر دیا انتظار حسین کی دانست میں یاداشت انفرادی اور اجتماعی تشخیص کی بنیاد ہے۔۔"(٦)

انسان کا بنیادی مسئلہ خود شناسی ہے تقسیم ہند کے بعد فرد کا سب سے بڑا مسئلہ اپنی شناخت سے محروم ہونا تھا جو بالآخر فرد کی ذات کے بکھرنے کا سبب بنا شناخت کا یہ مسئلہ اس وقت شدت اختیار کر لیتا ہے جو کبھی ماضی کو کریدنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

انسان دنیا کے کسی بھی گوشے میں چلا جائے وہ کبھی بھی اس جگہ کو نہیں بھول سکتا جو جہاں اس کی جڑیں پیوست ہوں یہی کرب ناسٹلجیا کو جنم دیتا ہے اس کی بہترین مثال انتظار کا ناول بستی ہے۔

بستی کا موضوع ہجرت کے بطن سے پھوٹنے والا انسان اور معاشرے کا زوال ہے۔

انتظار حسین نے روپ نگر اور ویاس پور کی معاشرتی فضا کے بیان سے ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کی آویزش تک محض سیاسی مدوجزر نہیں گنوائے بلکہ عام انسانوں کے احساسات پر یہ واقعات جو اثرات ڈالتے ہیں اسے بیان کیا ہے پورے ناول میں یہ واقعات ذاکر کے ذہنی سفر کا حصہ بن کر سامنے آتے ہیں۔

ناول کے ہیرو ذاکر کو اپنے گم شدہ پیڑ، گم شدہ پرندے، گم شدہ صورتیں نیم کے موٹے ٹہنوں میں پڑے جھولے سب نظر آتے ہیں دراصل ذاکر اسی سکون کا متلاشی ہے جو ماضی میں اُسے روپ نگر میں حاصل تھا چنانچہ ناسٹلجیا کے مختلف عناصر ناول میں رقصاں دکھائی دیتے ہیں۔

انتظار حسین ایک ایسے ادیب ہیں جنھوں نے ایک پورے عہد کے تجربے کو زبان دی ہے انتظار حسین کو محض ایک یا دو ہجرتوں کا ہی سامنا نہیں رہا بلکہ بچپن ہی میں انھیں اپنے شہر ڈبائی سے ہجرت کر کے دوسری جگہ جانا پڑا دوسری ہجرت انھوں نے ١٩٤١ء میں ہاپوڑ سے میرٹھ کی، زندگی کی اولین ہجرتیں اگرچہ ایک لحاظ سے ان کے لیے باوجود اپنی سرزمین یا بستی سے جدا ہونے کے خوش آئند تغیرات سے لبریز تھیں لیکن ١٩٤٧ کی ہجرت نے انھیں اپنے دیار سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا تھا جسے بھلانا ان کے لیے ناممکن تھا۔ اس ہجرت کی وجہ سے انھوں نے صدیوں کی تہذیب کو مٹتے ہوئے دیکھا اس کے نزدیک ترک وطن اور ہجرت کا جو عمل ١٩٤٧ میں شروع ہوا تھا وہ صرف کسی ایک فرد کا یک شہر، فضا اور ماحول سے نکل کر دوسرے شہر، ملک اور ماحول سے ہونے کا نام نہیں بلکہ پورے خاندان، گھرانوں اور روائیتوں کا ہی صدیوں پرانی تہذیب سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے کا عمل ہے۔

یہی سبب ہے کہ ہجرت کا احساس ان کی تخلیقات کا اہم محرک بن گیا ہے۔

اس ضمن میں ممتاز احمد خان لکھتے ہیں:

"دیگر فنکاروں کے ناولوں میں ناولوں ناسٹلجیا کے صرف اشارے ملتے ہیں مگر اپنے ناولوں میں انتظار حسین انھیں رجحان میں تبدیل کر دیتے ہیں ایک ایسا رجحان جس کے تحت اہم کردار ماضی میں ڈوبے رہتے ہیں اور حال کو اسی آئینے میں دیکھ کر اپنے رد عمل کا اظہار کرتے ہیں یوں لگتا ہے جیسے

وہ سب اپنی جڑوں کی تلاش میں ہوں کبھی یہ محسوس ہوتا ہے گویا یہ سب ہندوستان کے اسی سکون کے متلاشی ہوں جس کی خاطر انھوں نے ہجرت کی تھی۔ دراصل ماضی کا شدید احساس ہر شخص کی سوچ کا حصہ ہوتا ہے جو ہجرت سے گزرا ہو۔ افراد اور اشیا ہجرت کرنے والے کے ذہن سے محو نہیں ہو سکتے۔ پرانے واقعات یادوں کا حسین خزانہ ہوتے ہیں جن میں بار بار پناہ لینے کو ان کا جی چاہتا ہے۔"(۷)

انتظار حسین نے بستی میں تقسیم ہند کو موضوع بنایا ان گنت خاندانوں کا شیرازہ بکھر گیا بہت سے لوگ اپنے عزیزوں اور پیاروں سے بچھڑ گئے اس پورے ناول میں ماضی کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

انتظار حسین کا ناول "بستی" تقسیم ہند سے متعلق ناولوں میں ایک اہم ناول ہے ناول بستی میں ۱۹۸۰ میں ناسٹلجیک رجحان بھرپور طریقے سے سامنے آتا ہے۔ اس ناول میں انتظار حسین نے ڈائیاسپورا کی پریشانیوں، ذہنی الجھنوں، غم واندوہ، جذباتی کشمکش اور دوران سفر سامنے آنے والے الم ناک مسائل کو فنکارانہ جانبکدستی سے پیش کیا ہے ناول کا پہلا حصہ روپ نگر کی یادوں پر مشتمل ہے جس میں تحریک آزادی کے دوران عوام آزادی کے لیے تڑپ اور لگن کے ساتھ اپنے کھوئے ہوئے ہو تہذیبی ورثے کو پھر سے پانے کی جستجو اور جدوجہد سے قارئین متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے روپ نگر جو ذاکر کا آبائی علاقہ ہے ایک طویل مدت وہاں گزارنے کے بعد باپ کے تبادلہ کی وجہ سے دوسرے علاقے بیاس پور چلا جاتا ہے۔ چھٹیوں کے دوران ذاکر اپنی خالہ کے گھر روپ نگر جاتا ہے وہاں خالہ زاد صابرہ کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے اسی دوران ہندوستان میں فسادات برپا ہو جاتے ہیں اور ملک دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد مختلف علاقوں سے ہندوستانی ہجرت کر کے سرحد کے پار جانے کی سعی کرتے ہیں۔ اس میں ایک خاندان ذاکر بھی ہے۔ ذاکر کے کرب اور ناگفتہ بہ حالات اور مسائل کو ناول نگار نے ذاکر کے حوالے سے بیان کیا ذاکر اپنے والدین کے ساتھ یوپی کی ایک بستی روپ نگر سے ہجرت کر کے لاہور آتا ہے جب کہ اس کی پسند صابرہ پاکستان آنے سے انکار کر دیتی ہے صابرہ کو ہل ریڈیو اسٹیشن میں ملازمت مل جاتی ہے وہ اکیلی ہندوستان میں رہ جاتی ہے۔

ذاکر اور اس کے والدین یوپی کی ایک بستی روپ نگر سے ہجرت کر کے لاہور آئے تھے۔ روپ نگر سے ان کی پرانی یادیں اور جذباتی وابستگی پورے ناول پر چھائی ہوئی ہے۔ وہاں کا ماحول رہن سہن تہذیب وثقافت اور رسم ورواج مسلسل ماضی کی یاد دلاتے ہیں۔

"روپ نگر میں کیا کچھ رہ گیا تھا کچے پکے رستے جو جانے کہاں جا کر نکلتے تھے بس درختوں میں گم دکھائی دیتے تھے۔ ڈولتے ہجولے کھاتے اکے، رونگتی رینگتی بیل گاڑیاں کوئی کوئی رتھ کہ اس میں جتے توانا بیلوں کی کرنوں میں آویزاں گھنٹیوں اور گھنگروؤں کی بدولت وہ مٹی مین اٹے رہتے ایک میٹھے شور سے بھر جاتے، کالا مندر، کالے مندر کے احاطے میں کھڑا بندروں سے آباد پیپل کربلا کی ویران اور اداس فصیل، ٹیلے والا قلعہ راوں بن کے بیچ کھڑا بھید بھرا برگد بس ایک پورا دیومالائی عہد تھا جو روپ نگر کے ساتھ رہ گیا تھا۔"(۸)

بستی ناول در حقیقت یاداشتوں کے وسیع کینوس پر مشتمل ہے اس ناول کے مکان شہر، درخت آسمان ستارے، باپ، ماں، عورتیں اور کتابیں غرض یہ کہ سب کے سب چند لمحوں کے لیے جسامت اور حدود اربعہ کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں مگر پھر فوراً ہی یاداشتوں کی دنیا میں اتر جاتے ہیں۔

ذاکر روپ نگر اور بستی کو اپنے آپ میں سموئے ہوئے ہے مثلاً ایک اقتباس

"میں اس شہر کے لیے اور کچھ نہیں کر سکتا دعا کر سکتا ہوں، سو کرتا ہوں یہ میرے تصور میں آباد روپ نگر کے لیے بھی دعا ہے کہ اسے میں اب اس شہر سے الگ کر کے تصور میں نہیں لا سکتا روپ نگر اور یہ شہر میرے اندر گھُل مل کر ایک بستی بن گئے ہیں۔"(۹)

ہجرت کے کرب میں ڈوبا ہوا ناول قاری کو بار بار ماضی کی جانب پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کرتا ہے۔"بستی" میں انتظار حسین ڈائیاسپورا کی مجروح و شکستہ زندگی اور روح کو ماضی کے دریچوں سے دیکھتے ہیں۔

انتظار حسین نے خود اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کیا ہے۔

"ہجرت اور پاکستان لازم و ملزوم ہیں کیا میں ہجرت کو بھول جاؤں؟ اگر ہم پاکستان پہنچ چکے ہیں تو کیا میں ۱۹۴۷ کو فراموش کر دوں؟ اگر میں اسے بھول گیا تو پاکستان میرے لیے بے معنی ہو جائے گا جس کی تاریخ کے پلٹ سے پاکستان پیدا ہوا ہے اس تاریخ کو لوگ کہتے ہیں کہ میں بھول جائوں۔"(۱۰)

انتظار حسین پہ اکثر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کے ناولوں میں ناسٹلجیائی کیفیت بہت زیادہ ہوتی ہے ان کی تحریروں میں ماضی بازگشت ہے یاد ماضی، کلاسیک سے محبت، ماضی پرستی، ماضی پر نوحہ خوانی اور روایت میں پناہ کی تلاش بہت نمایاں ہے۔ پرانی اقدار کے بکھرنے اور نئی اقدار کے سطحی اور جذباتی ہونے کا دکھ اور اظہار کے ضمن میں بہت سی جگہوں پر انداز و لب و لہجہ تر ہو جاتا ہے یادوں کی دوسری صورت ناسٹلجیا ہے۔

ناسٹلجیا یعنی ماضی کو جذباتی وابستگی سے یاد کرنا یہ دراصل حال کی تلخی سے وقتی نجات کا رویہ ہے۔ یہ حال سے فرار نہیں تلخی ایام کو کم کرنے کا وسیلہ ہے۔ ایک کامیاب اور مطمئن انسان بھی اپنے بچپن کو یاد کرتا ہے یہ ناسٹلجیا ہے۔

نوشین صفدر لکھتی ہیں:

"شہر میں رہنے والا اس گاؤں کو یاد کرتا ہے جہاں وہ پیدا ہوا تھا اور جہاں اس نے زندگی کے ابتدائی ایام گزارے تھے۔ مہاجروں کا چھوڑے وطن وہاں کی تہذیب و ثقافت چرند پرند شجر و حجر کو یاد کرنا دراصل ناسٹلجیا ہے جو ان کی جذباتی ضرورت ہے۔ ناسٹلجیا ایک صحت مند رجحان ہے اور حالات کا سامنا کرنے کی طاقت دینا۔"(۱۱)

ذاکر اور اس کے والدین کا تعلق ان مہاجروں سے ہے جو جسمانی طور پر پاکستان میں ہے مگر ان کی ذات کا کوئی حصہ کٹ کر ماضی میں رہ چکا تھا۔ اسی وجہ سے انھیں نیم کے پیڑ، ساون کے جھولے، آم کے باغات، بلبل کی صدا، ویران مندر، متروکہ حویلیاں اور دھول پڑی پگڈنڈیاں مسلسل ستاتی ہیں وہ معاشرے کی تصویر کو مکمل کرنے کے لیے ماضی کے کٹے ہوئے حصے کو تخیل کی بدولت حال میں شامل کرتے ہیں۔

"اس وقت برگد کے خلاف کچھ کہنا کفران نعمت ہوتا ان کی چھاؤں گھنی اور ٹھنڈی تھی نیچے بچھی ہوئی گھاس، ہری ہری اور نرم نرم میں نے جوتے اتار کر الگ رکھے گریباں کے بٹن کھولے اور چت لیٹ کر آنکھیں موند لیں مجھے اپنے گمشدہ پیڑ یاد آرہے تھے، گمشدہ پیڑ، گمشدہ پرندے، گمشدہ صورتیں نیم کے موٹے ٹہنے میں بڑا سا جھولا، صابرہ، لمبے جھونٹے، نیم کی نبولی پکی، ساون کب آئے گا۔۔ بوندوں سے بھیگے گال پر گری ہوئی لٹ۔ جیو سے موری جان کا جایا ڈولی بھیج بلاوے گا دور کے پیڑ سے آتی ہوئی کوئی آواز۔"(۱۲)

ذاکر کی ماں کو پچیس سال بعد وہ اشا جو کوٹھری میں رکھ کر تالا لگا کر آئی تھی اچانک یاد آتی ہیں ان میں جدی نشانیاں کربلائے معلیٰ سے آیا ہوا کفن، مدینہ منورہ سے لائے جانے والی جائے نماز اور خاک شفا کی سجدہ گاہ شامل تھی وہ ان تمام اشیا کو ایک بار پھر دھوپ میں رکھنا چاہتی تھی۔

"ہماری تو ساری جدی پشتی چیزیں اسی میں بند ہیں۔ میرا سارا جہیز کا سامان اسی میں ہے اور اللہ رکھے جب ذاکر پیدا ہوا تھا تو دادا نے پوتا ہونے کی خوشی میں چاندی کی رکابیوں میں بالو شاہی برادری میں بانٹی تھیں اس وقت کی بچی ہوئی بارہ رکابیں بھی وہیں رکھی ہیں اور ہاں تم نے جو کربلائے معلیٰ سے کفن منگایا تھا وہ بھی وہیں اسی ٹرنک میں رکھا ہے جس میں بڑے ابا کی مدینہ منورہ والی جانماز اور خاک شفا کی سجدہ گاہ رکھی ہے۔۔۔ ہاں بیٹے کفن، جب تیرے دادا کربلا کی زیارت سے آئے تھے تو دو کفن خاص وہاں سے تیار کیے ہوئے امام کے روضے سے مس کیے ہوئے اپنے ساتھ لائے تھے۔"(۱۳)

ناول بستی دراصل ان لمحوں کو یاد کرنے کے عمل سے وابستہ ہے جنھیں وقت نے دور کر دیا، انتظار حسین کی دانست میں یاداشت انفرادی اور اجتماعی تشخص کی بنیاد ہے۔ یاداشت نہ ہو تو ماضی بھی نہیں رہتا اور ماضی نہ ہو تو بنیاد اور جڑیں کچھ بھی نہیں رہنا اک ناول میں انتظار حسین کے شعور اور احساس کے ذریعے ایک گمشدہ دنیا پھر سے اپنے خدوخال کے ساتھ نکھر کر سامنے آتی ہے اور بامعنی بن جاتی ہے گمشدہ مقامات اور رشتوں کی یاد ایک ٹیس بن کر ابھرتی ہے۔

ناول بستی میں روپ نگر اپنی تمام جزئیات کے ساتھ ذاکر اور دیگر کرداروں کے دل اور ذہن پر نقش ہے روپ نگر سے آنے والوں نے خود کو اس شہر سے جڑے رکھا ذاکر کو جنگ کے دنوں میں لالٹین کی روشنی سے روپ نگر کی یاد ستاتی ہے حال میں وہ لالٹین کی روشنی سے خائف ہے لیکن ماضی کی یاد آتے ہی لالٹین سے وابستگی پیدا ہو جاتی ہے۔

"لالٹینوں کے زمانے کو جب روپ نگر میں ابھی بجلی نہیں آئی تھی اور اندر گھر میں بھی اور باہر گلی میں بھی لالٹین کی ہی روشنی تھی، میں کس محبت سے یاد کرتا ہوں۔ بڑے ہو کر میں نے تعلیم کی ساری منزلیں لالٹین کی روشنی میں طے کیں۔"(۱٤)

انتظار حسین کے اس اقتباس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قدیم وقت سے چلی آرہی روایت اور ثقافت کو ترک کر دینا آسان نہیں لہذا ڈائیاسپورا اس ثقافت کو لاشعوری طور پر پسند کرتے اور سراہتے ہیں روپ نگر میں رہنے والے پاکستان آئے تو یوں محسوس ہوا کر ساری کائنات وہیں چھوڑ آئے ہیں یہی وجہ ہے کہ اقدار کے تباہ ہونے سے ان ڈائیاسپورا کے اندر ذہنی انتشار بڑھنے لگا ایسے میں ڈائیاسپورا نے قلبی اور ذہنی سکون کے لیے ماضی کا ہاتھ تھامے رکھا۔

انتظار حسین کا ناول محض یادوں کا نام نہیں بلکہ سرزمین سے بچھڑنے کا غم، مشترکہ تہذیب و ثقافت کے زوال کا صدمہ معاشرتی ناہمواری اور ہندو دیومالائی عناصر کی تاریخ و فلسفیانہ طرزِ فکر کو محیط ہے۔

ذاکر جلاوطنی کی زائیدہ نئے سماج کی ستم ظریفی اور ذاتی و ذہنی خلفشار کا صاف و شفاف آئینہ ہے۔ایک نئی سرزمین اور ایک نئے ملک میں پر سکون اور خوشحال زندگی کا خواب چکنا چور ہوتے ہی وہ ماضی کی خوبصورت اور حسین یادوں کو اپنی زندگی کا اہم سرمایہ تصور کرتا ہے۔ذاکر ماضی کا سفر اس طرح کرتا ہے۔وہ اپنے باہر کے ہنگامہ سے اندر سمٹا جاتا ہے۔

انتظار حسین کے فکشن کی نثر اور اسلوب کی تیاری میں محض قدیم اسالیب نثر سے ہی استفادہ کی کارفرمائی نہیں ہے بلکہ اس ترکیب میں ناسٹلجیا کی قوس قزح کے رنگ بھی شامل ہیں جو ایک طور سے اس آسرے میں نمی کی تاثیر پیدا کرتے ہیں یوں تو دنیا کا تقریباً سبھی بڑا ادب ناسٹلجیا ہی کی صورت بنتا ہے اور ماضی کا ہی ادب میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن انتظار حسین کے ہاں اس ناسٹلجیا کی پیرہن بہت زیادہ ہیں۔

انتظار حسین کا ناسٹلجیا ماضی کی مریضانہ صورت اختیار نہیں کرتا بلکہ یہ ایک طاقت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو اپنی تہذیبی شناخت اور ثقافتی و تہذیبی جڑیں دریافت کرنے کا وسیلہ بن جاتا ہے۔یوں انتظار حسین کے لیے ناسٹلجیا ماضی کی طرف مڑ کر دیکھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ ماضی کو آئینہ بنا کر موجودہ حالات کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کا ذریعہ بھی ہے۔لمحہ موجود کی نئی تعبیر و تفہیم کے لیے ناسٹلجیا کا سہارا لیتے ہیں۔انتظار حسین کے ہاں ناسٹلجیا تہذیبی اور ثقافتی جڑوں کی تلاش کے سفر میں رہنمائی کرتا ہے۔انتظار حسین کو اپنی تہذیب اور ثقافتی جڑوں کی تلاش نے اتنا پریشان کیا کہ انھوں نے اپنے فکشن کو اس تلاش کا ایک روپ بنا دیا یہ ضرورت یوں تو ہر تخلیقی ذہن کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن انتظار حسین کے ہاں ہجرت کے تجربے نے اسے سوا کیا بعض ناقدین نے ان کے ناسٹلجیا کو ایک طرح کی قنوطی مخزونیت اور مریضانہ ذہنیت سے تعبیر کیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی کا ماضی ناقابل فراموش ہے تو اس کے ماضی پرست ہونے میں عیب کی کیا بات ہے۔انتظار حسین کا ناسٹلجیا اپنے عہد کو مضطرب تو کرتا ہے متزلزل نہیں کرتا۔

حواشی

1۔ عامر سہیل، ڈاکٹر علی اظہر، قراۃ العین حیدر کا خصوصی مطالعہ۔ ملتان: بیکن بکس 2000، ص 215۔

2۔ گوپی چند نارنگ، انتظار حسین کا فن متحرک ذہن کا سیال سفر مشمولہ انتظار حسین ایک دبستان، مرتب ارتضیٰ کریم، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ص 143

3۔ ممتاز احمد خان، آزادی کے بعد اردو ناول کی بہت اسالیب رجحانات، انجمن ترقی اردو پاکستان، 1993، ص 243

4۔ روبینہ الماس، اردو افسانے میں جلاوطنی کا اظہار، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔ طبع اول 2012، ص 20

5۔ خان شاہد وہاب۔ اردو فکشن میں ہجرت، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، 2006، ص 61۔

6۔ گوپی چند نارنگ۔ انتظار حسین اور ان کے افسانے، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی 1986،، ص 9۔

7۔ ممتاز احمد خان، اردو ناول کے بدلتے تناظر، ویلکم بک نوٹ، کراچی 1993، ص 243، 242

8۔ انتظار حسین، بستی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور 1983، ص 14

9۔ انتظار حسین۔ بستی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور 1983، ص 168

10۔ طاہر مسعود ایک گفتگو، انتظار حسین، مشمولہ انتظار حسین ایک دبستان، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی 1996، ص 117

11۔ نوشین صفدر۔ ناول بستی تجزیاتی مطالعہ، مشمولہ ادبیات انتظار حسین، س ن، ص 230

12۔ انتظار حسین۔ بستی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1983 ص 85، 84۔

13۔ انتظار حسین۔ بستی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1983۔ ص 149۔

14۔ انتظار حسین۔ بستی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1983 ص 23